

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسلمانوں کی فلاح و نشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ

”سلفی منہج“

امام محدث محمد ناصر الدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ)

المتوفی ۱۲۲۰ھ

مترجم

طارق علی بروہی



- نام کتاب : مسلمانوں کی فلاح و نشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ - "سلفی منہج"
- مولف : امام محدث محمد ناصر الدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ)
- مترجم : طارق علی بروہی
- صفحات : ۳۴
- ناشر : اصلی اہل سنت ڈاٹ کام

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۵	امت کی حالت زار فرقہ بندی اور حزبیت	۱
۸	فرقہ ناجیہ کی علامت	۲
۱۰	سلفی منہج	۳
۱۲	مسلم امۃ کے زوال کے اسباب	۴
۱۳	محارم الہی کو حلال کرنا	۵
۱۶	امت مسلمہ کو لاحق ہونے والے مہلک امراض	۶
۱۷	ان مہلک امراض سے سبیلِ نجات	۷
۲۱	فہم سلف یا فہم خلف	۸
۲۵	التصفیہ والتزبیہ	۹
۳۱	بیع عینہ	۱۰
۳۲	یہود کی روش	۱۱

مسلمانوں کی فلاح و نشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ

"سلفی منہج"

[یہ مضمون دراصل ایک ٹیلی فونک خطاب ہے جو شیخ البانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی نصیحت پر مشتمل ہے، جس میں آپ نے امت مسلمہ کے لئے اپنا کھویا ہوا وقار اور عروج حاصل کرنے کی صحیح سمت متعین کی، جو کہ آپ کی علمی بصیرت اور امت کے لئے پر خلوص خیر خواہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان قیمتی نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یارب العالمین]

سوال: مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بصیرت افروز تبصرہ اور ان کے زوال کو عروج میں بدلنے کے لئے اپنے بیش قیمت نصائح سے مستفید فرمائیں، جزاک اللہ خیراً؟

إن الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

اما بعد! فإن خير الكلام كلام الله وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار.

امت کی حالت زار فرقہ بندی اور حزبیت

مسلمانوں کی جو موجودہ حالت ہے وہ کسی بھی باشعور انسان پر مخفی نہیں۔ جس دور میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمانوں کی حالت اتنی اتر ہے کہ تاریخ میں پہلے کبھی نہ تھی، جسے آپ خود بہتر طور پر جانتے ہیں کیونکہ آپ اسی دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر قسم کا فتنہ و فحش اپنی بدترین حالت میں مسلم معاشروں پھیلا ہوا ہے جن کے اثرات سے شاید ہی کوئی نفس محفوظ ہو جبکہ دوسری جانب حق بات کہنے والے اور کتاب و سنت سے تمسک اختیار کرنے والے بلحاظ تعداد انتہائی قلیل ہیں۔ اکثر لوگوں کی حالت تو ایسی ہی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (القرآن)

(اور اکثر لوگ نہیں جانتے)

اور دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ (یوسف: ۱۰۶)

(اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہوتے ہیں)

مسلم امہ کی اس حالت زار کی نشاندہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہلے ہی فرما چکے تھے جس کا آج ہم اور ہم سے پہلے ہمارے آباء و اجداد مشاہدہ و سامنا کر چکے ہیں۔ دین میں تفرقہ بازی، گروہ بندی اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک کے سراسر خلاف:

﴿ ... وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِعَابًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا

لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ (الروم: ۳۱-۳۲)

(اور ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر

جو اس کے پاس ہے مگن ہے)

اور اس فرمان کی بھی نافرمانی کرتے ہوئے:

(اور یہ کہ دین میرا سیدھا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی)

مزید برآں خود نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان "مختلف راہوں" کی وضاحت فرمائی چنانچہ ایک صحیح حدیث میں اس کا مکمل نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کی اکثریت صراط مستقیم سے ہٹ جائے گی۔
عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

"ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے لئے زمین پر ایک سیدھی خط کھینچی اور اس پر دست مبارک رکھ کر فرمایا "یہ اللہ کی راہ ہے" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سیدھی خط کے ارد گرد مزید خطوط کھینچے اور فرمایا "یہ وہ مختلف راہیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے سر پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا ہے"۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرَقَ بَكُمِ عَنْ

سَبِيلِهِ ... ﴾

پس نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں واضح کر دیا کہ صراط مستقیم ایک راہ ہے بہت سی راہیں نہیں جیسا کہ چند صوفیاء کہتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانس لینے کی مقدار ہے" کم از کم یہ ان کا ایک قدیم مقولہ ہے مگر آج واقعتاً اتنی راہیں گروہوں اور جماعتوں کی صورت میں نمودار ہو گئی ہیں، اور ہر ایک اس چیز پر خوش اور مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔ جبکہ یہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے بخوبی آگاہ ہیں:

لَدَيْهِمْ فَرَحُونَ ﴿ (الروم: ۳۱-۳۲)

(اور ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے)

اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس فرمان سے بھی بخوبی واقف ہیں:

"یہودیوں نے تفرقہ کیا حتیٰ کہ وہ اکھتر (۷۱) فرقے بن گئے اور نصاریٰ تفرقے کے سبب بھتر (۷۲) فرقے بن گئے اور میری یہ امت تھتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، اور وہ تمام کے تمام فرقے آگ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے" فرمایا کہ: "وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "الجماعۃ" (جماعت)^۲

یہ اس حدیث کی سب سے مشہور روایت ہے، اور یہ صحیح ہے، ایک اور روایت میں (جو اس حدیث کی تشریح کرتی ہے) جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس فرقہ ناجیہ (نجات پانے والے فرقے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"ماأنا عليه وأصحابي اليوم" جس چیز پر آج میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔^۳

یہ دوسری روایت حسن درجہ کی روایت ہے جس کی تفصیل میں نے اپنی بعض کتب میں بیان کی ہے۔ اس میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی "ماأنا عليه وأصحابي اليوم" اس منہج کی وضاحت کرتے ہیں جس پر وہ واحد فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ (مدیافتہ گروہ) کاربند ہوگا۔ یہ وہ جماعت ہوگی جو اپنا منہج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے لیتی ہوگی۔

^۲ الترمذی: 2641، قال الالبانی صحیح - سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: 1348

^۳ بیٹمی مجمع الزوائد: 189/1، صححہ الالبانی - صحیح الجامع: 9/52

فرقہ ناجیہ کی علامت

یہاں پر قابل غور نقطہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "وأصحابی" (اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم))، جبکہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محض یہ کہہ دیتے کہ میرے راستے پر ہو تو یہ بطور جواب کافی تھا، لیکن ایک عظیم حکمت کے تحت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا بھی ذکر کیا۔ اس کے پس پردہ جو حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ تمام کے تمام صحابہ (رضی اللہ عنہم) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت اس وحی کے ذریعے سے حاصل کی جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی۔ وہ براہ راست اس وحی سے مستفید ہوئے جو کہ اپنی خالص حالت میں کسی قسم کی بیرونی ملاوٹ سے پاک ان تک پہنچی، اس بیرونی ملاوٹ سے کہ جس نے ان کے بعد میں آنے والے لوگوں کے دل و دماغ کو پرانگندہ کیا۔ اس فساد کا اندازہ آپ ان آراء و افکار کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں جو کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے منج سے متضادم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے راستے کے ساتھ ساتھ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے طریقے کی پیروی کا بھی علم دیا کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتے تھے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچے تابع دار و پیروکار ہیں۔

مزید یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انتہائی واشگاف الفاظ میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا جو صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے فوراً بعد آئے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں بلکہ میں تحقیق و مطالعہ کے بعد اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"خیر الناس قرنی... (بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں...)"

بعض افراد اس حدیث کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں "خیر القرون قرنی... (بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے...)"

یہاں میں ایک چیز کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ ﴿... فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (اور یقیناً

(بہتین لوگ) جنہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فہمایا 8

"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم" ۴

(بہتین لوگ میہے زمانے کے لوگ ہیں پچھا۔ جوان کے چدا آئیں، پچھا۔ جوان کے چدا آئیں)۔

۱۱ وہ قہاون ثلاثہ (تین نسلیں) ہیں ۱۲ جن کے ۱۳: اطا مستقیم پر ہونے کی گواہی خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نے دی اور قہآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے مصداق بھی یہی لوگ ہیں 8

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾ (النساء: ۱۱۵)

(جو شخص باوجود راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) 15 خلاف کرے اور تمام مومنوں

کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھا ہی متوجہ کر دیں گے جدها وہ خود متوجہ ہو اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی

بہت ہی بری جگہ ہے)۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قہآن کریم کے انہیں الفاظ جنہی "ويتبع غير سبيل المؤمنين" (اور تمام

مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے) سے وہ الفاظ اخذ کئے جو سابقہ جدهٹ میں بیان ہوئے "وأصحابي" (اور میہے صحابہ

رضی اللہ عنہم)۔

اس قہآنی آیت 15 جو اساسی نقطہ ہے وہ وہی ہے جو ۱۲ اس حدیث میں بیان ہوا۔ اس سے بھی ۱۱ بات واضح ہوتی ہے

۱۲ چدا میں آنے والے اور موجودہ دور کے مسلمانوں 13 لیے ۱۴: جا: انہیں ۱۲ وہ مومنوں کی راہ "سبيل المؤمنين" کے

علاوہ ۱۵ وئی اور منہج اختیار کریں کیونکہ وہ لوگ اپنے رب کی جاہب سے واضح ہدایت پر تھے۔ یہی وجہ ہے ۱۲ آپ (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے حض صحابہ (رضی اللہ عنہم) 15 درجہ حض سے زیادہ بیان کیا۔ میہا اشارہ خلفائے

وسلم) نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (حکام کی) سمع و طاعت (سننے اور فرمانبرداری کرنے) کی اگرچہ وہ (حاکم) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس بیشک تم میں سے جو (میرے بعد) لمبی عمر پائے وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تمہیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے جبروں کے ساتھ مضبوطی سے تھامے رہو، اور دین میں نئے کاموں سے بچو کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" ^۵

یہاں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو بیان کیا اور اس کی بھی وہی حکمت ہے جو اس سے پہلے فرقہ ناجیہ کے متعلق آیت و حدیث کے تحت ذکر کی گئی۔

سلفی منہج

مذکورہ بالا تینوں حوالہ جات سے ایک منہج و نظام اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسا نظام کہ جس سے ہر مسلمان کا منسک ہونا ضروری ہے اور اس سے اعراض کی کوئی گنجائش نہیں، جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ان داعیوں کے منہج جو قرآن و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ان کا طریقہ کار ہمارے اس بیان کردہ نظام سے متضاد ہے اور وہ ہم سے اس منہج میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہم سلف صالحین کے (صحابہ، تابعین، تابع تابعین اور جوان کے اصولوں پر کاربند رہے) کے منہج سے تمسک کی دعوت دیتے ہیں یعنی قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونا مگر سلف صالحین کے طریقے کے مطابق۔ یہ درحقیقت وہ منہج ہے کہ جس سے ہر مسلمان کو تمسک اختیار کرنا لازم ہے تاکہ وہ "سبیل

المومنین" مومنوں کی راہ سے نہ بھٹک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابس اس یہ ہمہ دینا کافی نہیں ہے کہ ہم صرف قرآن و سنت پر عمل پیرا ہیں اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

بلکہ فہم سلف صالحین کی طرف رجوع کرنا ہی اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ مسلمان اس طرح سے گمراہ نہ ہوں جو طرح سے سلف صالحین کے بعد آنے والے مسلمان گمراہ ہوئے۔ ان مسلمانوں نے آپس میں انتہائی شدید اختلاف کیا تھا کیونکہ انہیں اس سنت صحیحہ تک بسہولت رسائی حاصل نہ تھی جو کہ قرآن کریم کی اصل تفسیر ہے۔ اللہ رب العالمین کا فرمان پاک ہے:

﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ... ﴾ (النحل: ۴۴)

(یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں)۔

یہ وہ بنیادی وجہ اختلاف تھی ان لوگوں کے درمیان جو گزر چکے، حتیٰ کہ ان میں بڑے بڑے علماء، فقہاء و صالحین سب شامل ہیں، لیکن اس بنیادی وجہ کے ساتھ ساتھ اور اسباب بھی ہیں جنہوں نے ان اختلافات کو جنم دیا۔ جن میں سرفہرست نفسانی خواہشات کا غلبہ اور کچھ ان افراد کی آراء و افکار جن کے پاس کسی قدر تقویٰ و اخلاص تو تھا لیکن علمی میدان میں وہ بہت کمزور تھے۔

اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس بات کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ مسلمان قرآن و حدیث کی مخالفت نہ کریں الا یہ کہ وہ اس منہج کی طرف رجوع کریں جس پر ہمارے سلف صالحین تھے۔ اور ہم مخلصانہ طور پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کی ذمہ داری ان اختلافات پر ہے جن میں وہ قرآن و حدیث فہمی کے لئے اس منہج پر عدم انحصار کرتے ہیں، جسے ہم "سلفی منہج" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ وہ ضروری امر ہے جسے ہمیں مسلمانوں کی موجودہ حالت کے حوالے سے مد نظر رکھنا چاہیے تاکہ ہم اس منہج کی طرف لوٹ سکیں جس پر سلف صالحین گامزن تھے۔

جنہیں ہم بطور فخر یاد کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت، شان و شوکت اور زمین پر غلبہ عطا کیا، جس کا مشاہدہ اسلام کی شاندار تاریخ کے ذریعے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ چند باتیں تھیں جو مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے

مسلم امہ کے زوال کے اسباب

علماء کرام نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کے تحت بہت سی وجوہات کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ ان میں سے ہر ایک یا کم از کم ان میں سے کچھ اس بات کا بخوبی شعور رکھتے ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان تمام اسباب کو اپنی ایک صحیح حدیث میں جمع فرمادیا، جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"عنقریب تمام قومیں جمع ہوں گی اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کو دعوت دیں گی، جس طرح کہ کھانے کی پلیٹ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔" کسی نے پوچھا: "کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟" فرمایا: "ہرگز نہیں، بلکہ حقیقت میں تم لوگ اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہو گے، لیکن تمہاری حیثیت سمندر کی جھاگ کی مانند ہوگی اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا رعب تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں "وہن" ڈال دے گا۔"

کسی نے دریافت کیا: "یہ وہن کیا ہے؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "حب الدنيا وکراهية الموت" (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت)۔^۶

بیشک نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے درست فرمایا کیونکہ ہر باشعور مسلمان اس بات کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ ہر برائی کی جزا اس دنیا کی محبت ہے اور ہر فتنے کے پس پشت اسی کا ہاتھ کارفرما ہوتا ہے، اور کیوں نہ ہو؟ یہی وہ شے ہے کہ جو انسان کو اپنی دولت اور اپنی جان کے بارے میں کنجوس، نودغرض اور بخیل بناتی ہے، اور یہی جان و مال ہی تو ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا جاتا ہے۔ یعنی اپنی دولت خرچ کی جاتی ہے اور جو ہمیں بہت

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے:

"شخ (حرص نفس) سے بچو، اس حرص نفس نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خونریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کر لیا۔" ۴

جیسا کہ بہت سی کتب احادیث میں مروی ہے جن میں سے ایک صحیح مسلم بھی ہے۔

محارم الہی کو حلال کرنا

یہاں اس موقع پر میں ایک چیز کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ محارم کو حلال کرنا دو طرح سے ہے۔

اول:

یہ کہ انسان حرام کام میں ملوث ہو مگر اس بات کے مکمل شعور کے ساتھ کہ یہ کام حرام ہے۔ یہ واضح طور پر مسلمانوں میں اپنی تمام تر صورتوں اور اقسام کے ساتھ موجود ہے۔ حتیٰ کہ اکبر الکبائر یعنی شرک بھی ہمارے بعض معاشروں اور شخصیات میں عام ہے۔ جیسے آلام و مصائب میں غیر اللہ کو پکارنا، مشکلات میں غیر اللہ سے استعانت و استمداد چاہنا اور غیر اللہ کے نام پر ذبح اور قربانی کرنا، اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام امور شرک کے زمرے میں آتے ہیں لیکن یہ مسلم معاشروں میں عام ہیں۔ لوگوں کی اکثریت میں صرف عوام ہی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا بلکہ علماء بھی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دیتے کہ لوگوں کو اس شرک و بت پرستی سے خبردار کریں۔ یہ اکبر الکبائر یعنی سب سے بڑا گناہ ہے بعض احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

اگر ان میں سے آپ صرف سود ہی کو لے لیں تو وہ بھی ان اداروں کے مرہونِ منت بہت عام ہو چکا ہے جنہیں ہم "بینک" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مزید کبیرہ گناہوں میں سے شراب نوشی، عورتوں کا بے پردہ ہونا، قبروں پر مساجد کی تعمیر اور ان کے علاوہ بھی بہت سے ہیں۔

دوم:

اللہ تعالیٰ کے محرم کو حلال کرنے کا جو دوسرا طریقہ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔

ایک یہ کہ لاشعوری طور پر کسی حرام کام کا ارتکاب کرنا یعنی ایک شخص کو یہ علم ہی نہ ہو کہ میرا یہ فعل حرام ہے یا شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ یہ بلاشبہ ایک بہت بڑی برائی ہے اور یہ بھی مسلم معاشروں میں بہت عام ہے۔ دوسری قسم یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کے لئے حیلہ اختیار کرے۔ جیسا کہ یہودیوں نے فریب کاری اور دھوکہ بازی کے ذریعہ مچھلیاں پکڑنے کی جہالت کی، جن کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے اور ان شاء اللہ تمام لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اور اسی طرح انہوں نے حیلہ اختیار کرتے ہوئے چربی کو بھی اپنے لئے حلال کرنے کی کوشش کی جو کہ ان پر حرام کر دی گئی تھی۔

جس کا اندازہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی اس سبب سے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی۔ مگر انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ پس خبردار! اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا لوگوں پر حرام کر دیتا ہے تو اس کی تجارت اور کائی بھی حرام کر دیتا ہے۔" ^۹

یہ حدیث باوجود اپنی انتہائی اہمیت کے خطباء، مقررین و واعظین کی زبانوں پر بہت کم ہی آتی ہے۔ یہ حدیث مسلمانوں کو اس عمل کا مرتکب ہونے سے خبردار کرتی ہے جس کا ارتکاب یہودیوں نے کیا۔ مزید برآں نبی اکرم (صلی

^۸ بخاری: 7/8، مسلم: 64/1، البیہمی مجمع الزوائد: 130/4

^۹ بخاری، مسلم، ابوداؤد و صحیحہ الالبانی فی صحیح الجامع: 5107

تھے۔ دیگر احادیث کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری میں جناب ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"تم لوگ یقیناً ان لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے جو تم سے پہلے ہو گزرے جیسا کہ بالشت بالشت کے برابر ہوتا ہے اور ہاتھ ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی اس میں جا داخل ہو گے۔" ہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے!" (یعنی یقیناً انہی کی پیروی کرو گے)۔^{۱۰}

چنانچہ میں مسلمانوں کو اس بات سے خبردار کرنا چاہوں گا کہ وہ معمولی حیلہ اور مکر و فریب اختیار کر کے اس قسم کے حرام کاموں سے میں ملوث نہ ہوں جیسا کہ انہوں نے اپنے روزمرہ کے معاملات اور کاروباری معاہدوں میں اسے روارکھا ہوا ہے۔ اس کی ایک بہت نمایاں مثال "**نكاح التحليل**" (حلالہ کا نکاح) ہے۔ جس کے مرتکب کو صحیح حدیث میں ملعون کہا گیا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے عورت سے حلالہ کیا گیا دونوں پر لعنت کی ہے۔"^{۱۱}

اس قدر شدید و عید نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے باوجود ہمارے یہاں ایسے "ماہرین فقہ" پائے جاتے ہیں جو اسے جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے مرتکب کو اور جو بھی اس میں ملوث ہو پر لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

انہیں باتوں میں سے ایک بات جو ہمارے معاشروں میں عام ہے وہ اقساط پر اشیاء کی فروخت ہے جبکہ اقساط میں لینے کی صورت میں قیمت نقد سے زیادہ ہو۔ انہیں میں سے ایک "بیع عینہ" بھی ہے جو مسلم ممالک میں عام ہے۔

امت مسلمہ کو لاحق ہونے والے مہلک امراض

میں صرف آپ بھائیوں کی توجہ اس حدیث کی جانب مبذول کروانا چاہوں گا جو کہ موقع محل کے لحاظ سے مناسب حال ہے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمان ہے کہ:

"اگر تم اپنی تجارت میں بیع عینہ میں لگ جاؤ گے اور بیلوں کی دموں کو تھام لو گے اور محض اس بات سے راضی ہو جاؤ گے کہ تم اپنی کھیتی باڑی پر توجہ دو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ترک کر دو گے، تو پھر اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا جو تم پر سے نہ ٹلے گی یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف رجوع کرو۔" ۱۲

اس حدیث میں اس زہر ہلاہل اور ان موذی امراض کی بڑی واضح انداز میں منظر کشی کی گئی ہے جو اس دنیا فانی کی گھڑ دوڑ میں شامل ہونے اور اپنی تمام تر توجہ اسی دنیا کو کمانے میں مرکوز کرنے اسی طرح صرف ایسے اقدامات کرنے کے کسی طرح اس دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو کا شاخسانہ ہے۔ اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کے ذمہ دار عوامل بھی یہی ہیں۔ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیع عینہ، بیلوں کی دموں کو تھام لینے اور کھیتی باڑی پر اختفا کرنے کے ساتھ ساتھ ترک جہاد کو بھی ایک سبب گردانا ہے۔ اور یہ ترک جہاد بھی ایک عام جرم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بلا استثناء عرب و غیر عرب سب نے ہی جہاد کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ جبکہ امر واقعی یہ ہے کہ ان تمام ریاستوں کے قبضہ میں وہ تمام وسائل میسر ہیں جو کہ جہاد کے لئے لازمی ہیں اور دوسری جانب ان پر جوش نوجوانوں کے پاس یہ وسائل میسر نہیں کہ جس سے وہ نہ صرف اپنے ملکوں، زمینوں بلکہ اپنی عزت و حریت ہی کا دفاع کر سکیں۔

یہی نکلتا تھا۔

﴿... وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت و طریقے کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاو گے) پس اللہ تعالیٰ پر یہ حق بنتا تھا کہ وہ ان پر ذلت و رسوائی مسلط کر دے۔

یہ ذلت و پستی ہر مسلم ملک پر اپنے پیچھے گاڑ چکی ہے حالانکہ وہ بظاہر اس دنیا کے نقشے پر آزاد ممالک کی حیثیت سے اپنا وجود رکھتے ہیں مگر درحقیقت وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطابق اپنے ممالک میں بھی عمل نہیں کر سکتے۔ انہیں ایک صحیح حدیث کے مطابق اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ:

"جاهدوا المشركين بأنفسكم و أموالكم و ألسنتكم"

(مشرکین سے اپنی جانوں، مالوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو) ^{۱۳}

اب ہم نے اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کو تو بالکل ہی ترک کر دیا ہے اور اسے صرف محدود کر دیا ہے اپنے مال تک اس کی فاراوانی کے باعث اور زبانوں تک اس کی آسانی کے باعث، حتیٰ کہ اس دور میں جان کے ساتھ جہاد بدقسمتی سے ایک گزری ہوئی داستان کی مانند بن کر رہ گیا ہے۔ اسی لئے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں ان امراض کی نشاندہی و تشخیص کے ساتھ اس کا علاج بھی تجویز فرمایا، جیسا کہ حدیث کی ابتداء میں ان امراض کا ذکر ہے جو امت مسلمہ کو لاحق ہوں گے اور اس کے آخری حصہ میں ان کا علاج بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ان سے گلوغلا صی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ان مملکت امراض سے سبیل نجات

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

^{۱۳} ابو داؤد: 695/2، وصححه الالبانی فی المشکوٰۃ: 3821 وفی الصحیح الجامع: 3090

یہی وہ واحد حل ہے مسلم امہ کے لئے اگر وہ اپنے کھویا ہوا وقار، غلبہ، عزت اور شان و شوکت کی بحالی چاہتی ہے، اور چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا پر اسی طرح غلبہ و تسلط عطا کرے جس طرح کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا کیا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے:

"اس امت کو بشارتیں دے دو کہ اللہ تعالیٰ انہیں عروج بخشنے گا اور انہیں دنیا میں غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس جو شخص بھی حصول آخرت والا عمل دنیاوی مقاصد و مفادات کے لئے سرانجام دے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" ۱۳

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمانا کہ "یہاں تک کہ وہ اپنے دین کی جانب رجوع کریں" مجھے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ میں آپ کے سامنے کئے گئے سوال کے آخری حصہ کو متعارف کرواؤں۔ وہ یہ کہ امت مسلمہ پر جو کچھ بیت رہی ہے اور جس ذلت و پستی کا وہ شکار ہے کہ ماضی میں جس کی مثال نہیں ملتی اس سے نجات کی کیا سبیل ہے؟

تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿... إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ...﴾ (الرعد: ۱۱)

(اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت نہیں بدلا کرتا نہ ہو جسے خود اپنی حالت کو بدلنے کا خیال اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ٹلا نہیں کرتا)

﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ...﴾ (الأنفال: ۵۳)

(یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدل دیں)

دنیا میں حاصل تھے، اس عظیم نعمت کی تبدیلی کا کیا سبب ہے؟

سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بدل ڈالا، ہم اس نعمت کو چھوڑ کر دنیا کی دوڑ دھوپ میں جت گئے اور ہم نے اللہ کی راہ میں جہاد بھی ترک کر دیا۔ بالآخر ان تمام باتوں کا شرعی و فطری نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مسلمان اللہ کی دین کی مدد نہیں کریں گے تو انہیں بھی اس کے بدلے میں اللہ کی طرف سے کوئی مدد حاصل نہیں ہوگی جس طرح کہ کلام اللہ میں آیا ہے کہ:

﴿... إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ...﴾ (محمد: ۷)

(اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا...)

میں اس مقام پر آپ کی توجہ اس نقطہ کی طرف دلانا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان پاک سے آج تمام اسلامی ممالک پر چھائی ہوئی اس مہلک و جان لیوا بیماری کا علاج تجویز فرما دیا اور وہ علاج ان کا اپنے دین کی طرف رجوع کرنا ہے جیسا کہ آپ سب پہلے سماعت فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(آل عمران: ۸۵)

(اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا)

اسی طرح ایک اور آیت میں اس کی نشاندہی فرمائی:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

(المائدہ: ۳)

(آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کا تمہارے لئے بطور دین ہونے پر راضی ہوا)

ماہ ناز تصنیف "الإعتصام" میں امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کی ہے:

"جو شخص اسلام میں کوئی بدعت متعارف کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے تو اس شخص کا یقینا یہ عقیدہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں جو کہ ان کی ذمہ داری تھی خیانت کی ہے (اور یہ محال ہے)، اور اگر تم دلیل چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پڑھو:

﴿ **الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا** ﴾
(المائدہ: ۳)

(آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کا تمہارے لئے بطور دین ہونے پر راضی ہوا)

اور اس امت کے آخری (لوگوں) کی اصلاح نہیں ہو سکتی مگر صرف اس طریقے سے جس سے اس امت کے پہلے (لوگوں) کی اصلاح ہوئی تھی۔ پس جو چیز اس وقت دین کا حصہ نہ تھی وہ آج بھی دین کا حصہ نہیں بن سکتی۔" ۱۵

پھر امام شاطبی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "ہم اس روایت کو جو کہ امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) امام دارالہجرہ (مدینہ) سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی اور معمولی کیوں نہ ہو، اور چاہے وہ کردار و سلوک میں ہو یا عبادات و اعتقادات میں، اور ہم اس روایت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے دین یعنی اسلام کو تمام کر کے اس نے ہم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔" ۱۶

سو آج ہمارے متعلق کیا خیال ہے؟ ہم تو اسلام سے کوسوں دور جا چکے ہیں نہ صرف ان امور میں کہ جنہیں ہم "سنت" کہتے ہیں جو کہ بدعت کی ضد ہے بلکہ ہم تو اسلام سے مکمل طور پر دور ہو چکے یعنی ہم اسلام سے صرف ان امور میں دور

ہو گئے جو دین اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پسند فرمایا تھا۔ ہم نہ صرف اپنے قانونی فیصلوں اور افکار میں گمراہ ہوئے بلکہ اپنے عقائد تک میں گمراہی کا شکار ہیں۔

اگر ہم واقعی اس علاج جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی تجویز فرمایا کو نافذ کرنے میں مخلص ہیں یعنی اپنے دین کی طرف رجوع کرنے میں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا طریقہ ہے کہ جس سے ہم دین کو سمجھیں اور اس کا فہم حاصل کریں؟

فہم سلف یا فہم خلف

اس دین کے فہم کے دو طریقے ہیں جو کہ ان علماء میں معروف ہیں جو ماضی اور حال کے علماء میں پائے جانے والے اختلاف کا شعور رکھتے ہیں۔ یہاں دو مکتبہ فکر ہیں: ایک تو سلف کی طرف منسوب ہے اور دوسرا خلف کی طرف۔ جو لوگ خلف کی طرف منسوب ہیں وہ اس بات کے معترف ہیں کہ سلف کا راستہ محفوظ ترین ہے مگر اس کے باوجود ان کا یہ دعویٰ ہے کہ خلف کا راستہ علم و فہم کے اعتبار سے سلف سے بہتر ہے۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہمیں سب سے پہلے اپنے عقائد سلف سے لینے چاہیے یا ان سے جو اس بات کا محض اقرار کرتے ہیں کہ سلف کا راستہ محفوظ ترین ہے مگر ان کا راستہ علم و فہم کے اعتبار سے ان سے بہتر ہے؟

بلاشبہ دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس دور میں ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے عقائد کا موازنہ سلف صالحین کے عقائد سے کریں پھر اس کے بعد اپنے احکامات، اخلاقیات اور سلوک میں بھی ہمیں سلف کی جانب رجوع لازم ہے۔ وہ سلف جو اختلاف کے وقت قرآن و سنت پر انحصار کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نجات نہیں سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلَمُوا تَسْلِيمًا ﴿ (النساء: ۶۵)

(سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایاندار نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں)

آج بد قسمتی سے ہم ایسے گروہ اور جماعتیں نہیں پاتے جو ہمارے ساتھ اس علاج کو اپنانے کے لئے راضی اور متفق ہوں۔ مسلمانوں کو اپنی شان و شوکت اور قوت و غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنے دین کی طرف رجوع کریں۔ یہ ایک ایسا نقطہ ہے کہ جس پر مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں، اس بات سے قطع نظر کہ ان کی وفاداریاں اور ان کی وابستگی کس مخصوص گروہ یا جماعت سے ہے اور اس بات سے بھی قطع نظر کہ ان کا تعلق کس مکتبہ فکر سے ہے۔ بہر حال اختلاف اس وقت ابھرتا ہے جب دین کے صحیح فہم کا معاملہ آتا ہے۔

جس طرح کہ میں نے پہلے اس بات کی نشاندہی کی کہ ہمارے سامنے دو مکتبہ فکر ہیں، ایک سلف کا اور ایک خلف کا۔ سلف دین کے اصولوں میں کوئی تنازع نہیں برتتے تھے اور نہ اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف کرتے تھے۔ وہ اس بات میں کوئی دورائے نہیں رکھتے تھے کہ تمام باہمی اختلافات میں قرآن و سنت کی جانب رجوع کیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے انہی دو ذرائع سے کرتے تھے اور وہ اس کے آگے مکمل سر تسلیم خم کر دیتے تھے، جیسا کہ ہم گزشتہ قرآنی آیت کے تحت بیان کر آئے ہیں۔ ان کے درمیان اختلافات کی بنیادی وجہ جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں، وہ یہ تھی کہ ان میں کسی کے پاس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کوئی حدیث نہ پہنچی ہو، تو وہ پھر اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر جو سب سے زیادہ مناسب اور بہتر رائے تصور کرتا تھا اس کے مطابق عمل کرتا۔ چنانچہ بسا اوقات وہ غیر ارادی طور پر اور بلا قصد غلطی میں مبتلا ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا:

"اگر حاکم / مجتہد اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر فتویٰ دے اور وہ صحیح ہو تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر وہ غلطی کر جائے تو

چنانچہ ہر مسلم پر یہ واجب ہے کہ وہ اس اصول کی طرف پلٹے جس کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں کہ قرآن و سنت کی پیروی سلف صالحین کے فہم کے مطابق کرنا۔ پھر اگر ہم اس نظام پر متفق ہو جائیں اور اسے اپنا وظیفہ حیات اور اپنے عمل و منہج کی بنیاد بنائیں اور مزید یہ کہ ہم اس بات پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے لئے راضی ہوں یعنی اولاً: اس منہج کو سمجھنے میں۔

ثانیاً: اس کی عملی تطبیق یعنی تنفیذ پر۔

تو پھر اس کے بعد ایک انتہائی اہمیت کا حامل مرحلہ آئے گا جو کہ خلاصہ ہے میرے اس جواب کا جو مسلمانوں کے عروج و ترقی کی جانب سفر کے آغاز کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

آج یہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے دین کا صحیح فہم حاصل کرے، پھر اسے ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق صحیح طور پر عملاً نافذ کرے۔ حکام کا معاملہ عوام یا محکومین سے الگ ہے۔ حکام کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے جبکہ محکومین کی قوت محدود ہے۔ اگر دونوں فریق یعنی حکام و محکومین اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں یعنی

اولاً: اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں۔

ثانیاً: مکمل طور پر اس اسلام کا نفاذ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کرے۔

تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن ضرور مومنین اللہ کی جانب سے فتح پر جشن منائیں گے۔

لیکن میں بہت سے داعیان اسلام کو دیکھتا ہوں کہ وہ حکومت پر مسلسل زور دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم کریں اور بلاشبہ یہ ایک عمدہ و بہترین حق بات کی دعوت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴾ (المائدة: ۴۴)

(اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم نہیں کرتے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں)

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ (المائدة: ٤٤)

(... پس ایسے ہی لوگ فاسق ہیں)

اور تیسری آیت میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ (المائدة: ٤٥)

(... پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں)

یہ سچ ہے کہ حکومتوں کو اپنے آئین، قوانین اور رعایا پر تنفیذ اسلام کرنا چاہیے۔ یہ حق بات ہے اور واجب ہے۔ بہر حال میں ان داعیان کو جو اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اپنی ذات کو نہ بھولیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ... ﴾

(المائدہ: ۱۰۵)

(اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں)

سو یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سچائی کے ساتھ اپنے دین کا فہم حاصل کرے پھر حسب صلاحیت اسے اپنے آپ پر اور ان پر جن کا وہ ذمہ دار ہے یا جن پر اسے دسترس حاصل ہے نافذ کرے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" ۱۸

پس آدمی اپنے زیر کفالت اور ماتحت پر نگہبان و ذمہ دار ہے۔ اسی طرح عورت بھی اپنے دست نگر اور ماتحت پر نگہبان و ذمہ دار ہے اور اسی طرح دیگر افراد بھی۔ کچھ داعی ذاتی اصلاح کے اس پروگرام کے حوالے کے طور پر ایک قول پیش

کرتے ہیں جو انہیں میں سے ایک داعی کا ہے۔: "اپنے دل پر اسلامی حکومت قائم کرو وہ تمہارے لئے زمینوں پر بھی قائم کر دی جائے گی۔" میں دوہرائے دیتا ہوں: "اپنے دل پر اسلامی حکومت قائم کرو وہ تمہارے لئے زمینوں پر بھی قائم کر دی جائے گی۔"

اس بات نے ہمیں انتہائی مسرت دی لیکن ہم ان لوگوں سے ناخوش و ناراض ہیں جو اس شخص کی جانب منسوب ہیں جس کا یہ قول ہے۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کی تنفیذ کو خاطر میں لائے کیونکہ ایسا کرنے کے لئے ان کی جانب سے محنت شاقہ مطلوب ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث فہم سلف صالحین کے مطابق والے منج کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ سو میں یہ کہو گا کہ مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا علاج دین کی طرف رجوع ہے جو ہم سے دو چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے۔ میں نے انہیں "التصفیہ" اور "التربیہ" کا نام دیا ہے۔

التصفیہ والتربیہ

"التصفیہ" سے میری مراد ہے کہ تمام علماء و فضلاء جو یہ چاہتے ہیں کہ زندگیوں پر اسلام کا نفاذ سلف صالحین کے طریق پر ہوان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس اسلام کو ان چیزوں سے پاک و صاف یعنی خالص کریں جو اس میں بعد میں در آئیں جو پہلے اس کا حصہ نہ تھی۔ ایسے پاکیزہ کریں جیسے بھیڑیا یوسف (علیہ السلام) کے خون سے پاک و بری تھا، یہ ایک پرانی عربی کہاوت ہے۔ پھر انہیں اس خالص و پاکیزہ ہونے والے اسلام کی دعوت دینی چاہیے، خواہ وہ عقیدہ کا معاملہ ہو یا ان احکام کا جن میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے یا پھر اخلاق، کردار و سلوک کا معاملہ ہو، الغرض دین کے خالص کرنے کا یہ عمل اسلام کے ہر شعبہ پر محیط ہوگا، وہ اسلام جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مکمل کیا۔ جس پر ہم مندرجہ ذیل حدیث کے ذریعے مزید روشنی ڈالیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ:

دے دیا ہے، اور کوئی چیز جو تمہیں اللہ سے دور لے جائے اور جہنم سے قریب لگے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔" ۱۹

اب جو اس صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں ان پر ایک بات ضرور واضح ہونی چاہیے وہ یہ کہ بہت سے قدیم و جدید علماء اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ سنت میں ایسی بہت سی اشیاء داخل ہو گئیں ہیں جو اس کا حصہ نہ تھی، اور یہ چیز تو پہلی صدی سے ہی وقوع پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی جب چند فرقوں نے سرکشی کی اور اس چیز کی طرف دعوت دی جو قرآن و سنت سے متضاد تھی۔ مثال کے طور بعض نواجز کا یا ایک خارجی کا بیان ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنت کی جانب رہنمائی نصیب ہو گئی تھی، کہتا ہے کہ:

"ہمیں اس بارے میں انتہائی محتاط رہنا چاہیے کہ ہم اپنا دین کہاں سے حاصل کر رہے ہیں، کیونکہ ہمیں جو بات بھلی لگا کرتی تھی ہم اسے حدیث بنا لیا کرتے تھے۔"

اسی وجہ سے امام ابن سیرین (رحمۃ اللہ علیہ) [جو کہ ایک جلیل القدر تابعی تھے اور جن کی حافظ حدیث صحابہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے بکثرت احادیث مروی ہیں] نے فرمایا:

"اس بات پر بھرپور توجہ دو کہ تم اپنا دین کہاں سے حاصل کر رہے ہو۔" ۲۰

اس قول کو بطور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک نہیں پہنچتی کیونکہ اس کے راویوں کی سند ابن سیرین (رحمۃ اللہ علیہ) تک موقوف ہے، اور یہی وجہ ہے محدثین کرام کے اس قول کی کہ:

"اسناد دین کا اہم جزء ہیں، اگر یہ اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو اس کا جی چاہتا دین کے تعلق سے کہہ جاتا۔"

۱۹ سنن امام شافعی: 14/1، بیہقی: 76/7، الفقیہ والمتفقہ للخطیب: 93/1، اس حدیث کی باقاعدہ تخریج کے لئے

ملاحظہ کیجئے شیخ سلیم الہلالی کا مقدمہ جو انہوں نے کتاب "ہدایۃ السلطان" کی نظر ثانی کے موقع پر لکھا۔

۲۰ شرح صحیح مسلم للامام النووی: 87/1

یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ بس پر نظریاتی حد تک لو علماء کا اجماع ہے۔ نبی ہاں! میں تجویٰ اکاہ ہوں کہ جب میں نے نما کہ "نظریاتی حد تک" یہ اس لئے کہ مجھے یہاں ایک تلخ حقیقت کی ضرور نشاندہی کرنی پڑے گی وہ یہ کہ عملی طور پر جمہور علماء نے ان اسناد پر وہ توجہ نہیں دی جو اس پر دینی چاہیے تھی۔ البتہ علماء کا ایک مختصر گروہ ایسا تھا جنہوں نے یقیناً اس پر توجہ دی اور وہ محدثین کرام تھے جن میں کچھ مشہور یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی اور ان کے تلامذہ جیسے امام بخاری و امام مسلم اور دیگر محدثین اور آئمہ جرح و تعدیل (رحمہم اللہ)۔ ہمیں جس سنت پر اس کے تصفیہ کے بعد پیش رفت کرنی ہے اس سنت کو خالص کرنے کے لئے ہمیں انہیں جیسے رجال پر اعتماد کرنا ہے۔

کتب سنت آج وسیع پیمانے پر دستیاب ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لئے ان کے دین کو مکمل محفوظ رکھا اپنے اس وعدے کے ذریعہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر: ۹)

(ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے)

اس موقع پر میں ایک نقطہ ضرور بیان کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ مندرجہ بالا آیت جب یہ بیان کرتی ہے (ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے) تو کچھ لوگ جنہیں سنت میں مہارت حاصل نہیں اور نہ ہی وہ اسے کچھ اہمیت دیتے ہیں وہ اس غلط نقطہ نظر کے حامی ہیں کہ اس آیت میں جو حفاظت الہی کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ صرف قرآن مجید کے ساتھ خاص ہے۔ تو میں کہوں گا بالکل اللہ تعالیٰ نے ذکر کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے ذریعہ اس نے قرآن کریم کے الفاظ کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن بہر حال اس نے اس کے معنی، بیان و تشریح کی حفاظت سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ کی ہے۔

اس لئے محدثین کرام کے بغیر سنت کے تصفیہ کا یہ عمل بوجہ احسن پایۂ تکمیل تک پہنچانا ممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایک امر لازم ہے کہ قرآن مجید کا سنت صحیح سے بے نیازہ کر صحیح فہم حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمان

لئے کہ قرآن مجید سے متعلق عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کا فرمان ہے:

"قرآن حکیم کی تفسیر کئی ایک طریقوں سے ہو سکتی ہے"

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿... وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ...﴾ (النحل: ۳۴)

(یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں)

یعنی ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی سنت کے ذریعے بیان کر دیں اور وضاحت فرما دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔ چنانچہ یہ آیت دو چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے ایک قابل وضاحت و قابل تفسیر چیز اور دوسری اس قابل تفسیر چیز کی تفسیر و وضاحت کرنے والے مفسر۔ لہذا وہ قابل تفسیر چیز قرآن مجید ہے جسے بطور "ذکر" بیان کیا گیا اور مفسر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کہ جو اس آیت کے مخاطب ہیں۔

قرآن فہمی کا سنت اور وہ بھی صرف سنت صحیحہ کے علاوہ اور کوئی درست طریقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو چیزوں سے خبردار کیا تاکہ اس تفسیر کو کا حقہ اور صحیح طور پر کیا جاسکے۔ ان میں سے پہلی چیز جس سے اپنی امت کو خبردار کیا وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جو آپ نے نہ کہی ہو چنانچہ ایک متواتر حدیث میں ہے کہ:

"من كذب على متعمداً فاليتبوا مقعده من النار"

(جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں پکڑ لے)

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

"من قال على ما لم يقل فاليتبوا مقعده من النار"

یہ وہ پہلا مسئلہ تھا جس سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے امت کو متنبہ فرمایا، دوسری چیز جس کی طرف امت کو توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی طرف رجوع لازم ہے بالکل اسی طرح سنت کی طرف بھی رجوع لازم ہے۔ اسی بناء پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے:

"میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں اس حال میں کہ وہ اپنی مسہری سے ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور اس کے سامنے میرا امر یا نہی پہنچے تو وہ یہ کہے کہ، میں نہیں جانتا ہم جس کو کلام اللہ میں حلال پائیں گے صرف اسے حلال جانیں گے اور جسے کلام اللہ میں حرام پائیں گے صرف اسے حرام جانیں گے۔ خبردار میں قرآن اور اس کی مثل (حدیث) دیا گیا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ جسے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے خود حرام قرار دیا۔" ۲۲

ان دونوں امور یعنی جن سے ہمیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے متنبہ فرمایا کو باہم یکجا کرنے سے ہمیں وہ علاج و حل نصیب ہوگا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہر جانب سے حاصل ہونے والی ذلت و رسوائی سے نجات حاصل کرنے کے لئے تجویز فرمایا۔ یہ پہلے مرحلے "تصفیہ" کا بیان تھا۔

دوسرا مرحلہ جو علماء کرام کے سابقہ بیان کردہ تصفیہ کا عمل کر لینے کے بعد شروع ہوگا، وہ "ترمیم" ہے۔ انہیں لازماً اس "ترمیم" کے عمل کے ساتھ اپنے خاندانوں اور ماتحت لوگوں کی اسی خالص نجات پر ترمیم کرنی ہوگی۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمیں ان کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جائے جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں کیونکہ ہمارے رب کا فرمان مبارک ہے:

۲۱ دونوں روایتیں بخاری کی ہیں: 84/1، ابوداؤد: 1036/3

۲۲ احمد: 132/4، ابوداؤد: 5064، ترمذی: 3662، شیخ احمد شاکر اس پر "الرسالة" للشافعی کی تعلیقات کے موقع پر

ایک تفصیلی بحث کی ہے۔ رقم: 19

(اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے) اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے

جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اپنی ایک حدیث میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ:

"اس امت کو بشارتیں دے دو کہ اللہ تعالیٰ انہیں عروج بخشنے گا اور انہیں دنیا میں غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس جو شخص بھی

حصولِ آخرت والا عمل دنیاوی مقاصد و مفادات کے لئے سرانجام دے گا اسکا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" ۲۳

اس حدیث سے ہم پر یہ واجب ہوتا ہے جب ہم اپنے اس خالص شدہ دین پر عمل پیرا ہوں تو ہمارا عمل خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہیے جیسا کہ ہمارے رب کریم کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ... ﴾ (البینة: ۵)

(اور انہیں تو علم ہی نہیں دیا گیا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو اس کے لئے خالص کرتے

ہوئے)

میں اس تقریر کے اغتنام پر یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمیں ترقی کے اس سفر میں تمام محارم سے اجتناب کرنا ہو گا جن سے آپ سب واقف ہیں اور جن کی کچھ مثالیں ہم پہلے بیان کر آئیں ہیں، جیسے شرک، قتل، سود وغیرہ وغیرہ۔

میں اس موقع پر اس پہلی بیماری کا ذکر کرنا چاہوں گا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے "بیع عینہ" والی حدیث

میں بیان کی کیونکہ یہ بیماری بعض اسلامی ممالک میں بہت پھیل چھول رہی ہے اور دوسری جانب لوگوں کی اکثریت

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بموجب: ﴿ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (نہیں جانتے)

بیع عینہ

بیع عینہ ایک قسم کا سودی معاملہ ہے جو حرام ہے لیکن بد قسمتی سے کچھ لوگ اس میں ملوث ہیں اور وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ شرعاً جائز ہے۔ بیع عینہ علماء میں معروف ہے جو "عین" سے مشتق ہے یعنی "عین النسیء" (اصل چیز یا متعین شیء)

مثلاً ایک شخص ایک گاڑیوں کے بیوپاری شخص کے پاس آتا ہے اور کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد گاڑی خرید لیتا ہے۔ اس نے یہ گاڑی اقساط پر خریدی ہے نقد پر نہیں۔ فرض کریں کہ اس نے گاڑی بیس ہزار میں خریدی اب وہ شخص جس نے گاڑی اقساط پر خریدی دوبارہ گاڑیوں کے بیوپاری شخص کے پاس آتا ہے اور اسے وہی گاڑی نقد پر فروخت کرنے کی پیشکش کرتا ہے۔ اب جو گاڑیوں کا بیوپاری تھا وہ یہ بھانپ گیا کہ اس شخص کو گاڑی نہیں بلکہ پیسوں کی ضرورت ہے۔ آخر کار یہ دونوں فریق گاڑی کی اٹھارہ ہزار قیمت پر متفق ہوئے۔ چنانچہ وہ شخص جس نے گاڑی اقساط پر خریدی تھی اپنی گاڑی دوبارہ اٹھارہ ہزار میں بیچ دی۔ اس طرح وہ شخص اب بیس ہزار قرض کی ذمہ داری لیکر چلا گیا جبکہ فی الحقیقت اس نے صرف اٹھارہ ہزار ہی لئے تھے۔ بیع عینہ کے اس معاملہ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع فرمایا ہے۔ سو یہ ان لوگوں پر بالکل واضح ہو جانا چاہیے جو اپنی خواہشات کے پیرو نہیں یا کم از کم بیع عینہ میں ملوث نہیں کہ اس کاروبار کی اصل حقیقت یہ ہے کہ قرضدار کے ذمہ اس کی وصول کی گئی رقم سے زیادہ واجب الادا ہوتا ہے۔ لہذا اس میں اور سود کو تجارت قرار دینے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر وہ شخص جاتا اور کہتا: "مجھے اٹھارہ ہزار قرض دو میں تمہیں بیس ہزار ادا کروں گا" تو موجودہ دور کے مسلمان بھی الحمد للہ اسے یقیناً سود قرار دیتے، اور وہ ایسا کیوں کرتے؟ کیونکہ قرضدار پر جو رقم واجب الادا ہے وہ اس رقم سے زیادہ ہے جو اس نے حاصل کی، تو اس میں اور بیع عینہ میں کیا فرق رہا؟ درحقیقت یہ فروخت کا معاملہ حیلہ ہے سود کو حلال کرنے کا۔ یہ تو وہی حرکت ہے جس سے ہمیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی بہت سے احادیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم (صلی

یہود کی روش

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام قرار دی۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّت لَّهُمْ ... ﴾

(النساء: ۱۲۰)

(جو نفیس چیزیں ان یہودیوں پر حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان کے ظلم کے باعث ان پر حرام کر دیں)

یعنی ہم نے کچھ اچھی چیزیں ان پر حرام قرار دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ انہیں مفید چیزوں میں سے قرآن کریم کے اس حکم کے بموجب چربی ان پر حرام کی گئی جس کے بیان میں پہلے ایک حدیث میں پیش کی جا چکی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی اس سبب سے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی۔ مگر انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ پس خبردار! اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا لوگوں پر حرام کر دیتا ہے تو اس کی تجارت اور کائی بھی حرام کر دیتا ہے۔" ۲۳

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ایک شرعی حکم یعنی حرمت شحم (چربی) کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ علیم و حکیم ہے کہ جس نے یہودیوں کی نافرمانیوں کے سبب ان پر چربی حرام کر دی پھر جب کوئی یہودی کسی فریبہ بھیر یا بکری کو ذبح کرتا تو صرف اس کا سرخ گوشت کھاتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں چربی کو پھینک دیتا۔ مگر وہ اس حکم شرعی پر زیادہ عرصہ صبر نہ کر پائے اور انہوں نے اسے حلال کرنے کے لئے ایک حیلہ ایجاد کر لیا۔ پس انہوں نے اسے پگھلا دیا اور یہی معنی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس قول کا کہ "انہوں نے اس کی محض

ظاہری صورت وہی رہتی رہے۔ انہوں نے کہا کہ "ہم نے اسے برتنوں میں بھر لیا اور پیچھے سے اٹک لگا کر پھلایا جس کی وجہ سے چربی کی ظاہری صورت تبدیل ہو گئی یعنی مثل پانی مایہ ہو گئی۔ بعد ازیں شیطان نے یہودیوں کے دل میں وسوسہ اندازی کی اور ان کی نظر میں اس عمل کو اس طور پر حسین بنا کر پیش کیا کہ یہ چربی اب چربی کھلانے کے لائق ہی نہ رہی۔ جبکہ وہ اس بات کا بخوبی شعور رکھتے تھے کہ یہ اب بھی اپنی فطرت، ترکیب اور ذائقہ میں چربی ہی ہے۔ اس مشہور محاورے کے مانند جو بعض مالک میں بولا جاتا ہے "غیروا الشكل لإجل الأکل" (مُحَضَّ اسے کھانے کی خاطر اس کی شکل تبدیل کر دی گئی) لیکن اس تبدیلی سے انہوں نے اس چیز کو حلال بنایا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہودیوں کا اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال بنانے والے حیلے کا قصہ اور اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا ہفتہ والے دن مچھلیاں شکار کرنے کا حیلہ جو کہ انہوں نے ساحل پر جا لے کر اختیار کیا جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے اس لئے بیان نہیں کیئے کہ یہ مُحَضَّ تاریخی واقعات ہیں، بلکہ یقیناً یہ اس لئے بیان ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ... ﴾ (یوسف: ۱۱۱)

(ان کے بیان میں عقل والوں کے لئے یقیناً نصیحت و عبرت ہے)

چنانچہ مندرجہ بالا دونوں قصوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہرگز اس چیز کے مرتکب نہ ہوں اور ہرگز ایسے حیلے نہ تراشیں جن سے محرم الہی کے قریب جایا جاسکے۔ چنانچہ بیع عینہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی حرام قرار دے دی گئی ہے تاکہ ہم مسلمان ایسے حیلے نہ ایجاد کریں کہ حرام شیء یعنی سود کے قریب جایا جاسکے۔ وہ اس طرح کہ واجب الادا رقم لئے گئے قرض سے زیادہ وصول کی جائے اور اس کے ظاہر کو تجارت کی صورت میں چھپا لیا جائے جس طرح کہ یہودیوں نے چربی کی ظاہری صورت تبدیل کی تھی۔ یہاں آپ کو یہ جاننا چاہیے بہت سے علماء بیع عینہ کی حرمت کے قائل نہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے کیونکہ علم حدیث ان کا تخصص نہیں اس بیع کے جواز میں مُحَضَّ لفظ "بیع" (تجارت) کے استعمال سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ اہل علم

جاننے ہیں کہ مجرد لفظ بیع کا کسی معاملے میں وارد ہونا اس معاملہ کو بیع (تجارت) نہیں بناتا الا یہ کہ شریعت میں اس کی حرمت وارد نہ ہوئی ہو۔

اگر ہم دوبارہ اس حدیث کی طرف رجوع کریں تو ہم پائیں گے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس پہلی بیماری کا ذکر فرمایا وہ بیع عینہ ہی تھی۔ دیگر بیماریوں میں سے اس دینا کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا ترک کر دینا ہے۔ چنانچہ ہمیں اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہم خود وہی اعمال نہ کرنے لگ جائیں جن سے لوگوں کو روکتے ہیں یا پھر جن کا ذکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں فرمایا۔ اگر ہم وہ مقام و مرتبہ دوبارہ بحال کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے رب نے ہمیں عطا کیا ہے تو یہ انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿... وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ...﴾ (المنافقون: ۸)

(سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمانداروں کے لئے ہے)

میری یہی کچھ گزارشات تھیں ان مفید سوالات کے جواب میں جو اس مبارک محفل میں کئے گئے جو قرآن و سنت کی محفل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور آپ سب کو قرآن و سنت صحیحہ اور فہم سلف صالحین کی روشنی میں اسلام کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ میں اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرتا ہوں کیونکہ وہ **الاحد الصمد لم يلد ولم**

يولد ولم يكن له كفواً احد ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز دے اور ہمیں

ہمارے دشمنوں پر نصرت عنایت فرمائے۔

إنه سميع مجيب والحمد لله رب العالمين.